سُوْرَةُ الْعٰدِیٰت

زمانۂ جاہلیت میں جنگ اور لوٹ مار عام تھی، طاقتور قبائل کمزور قبائل کو ظلم وستم کا نشانہ بناتے اور زبردست زیردستوں کو لوٹتے مارتے تھے۔ ان حملوں میں جنگی گھوڑے استعمال ہوتے تھے جو اپنے مالک کے معمولی اشاروں پر بے دریغ جنگ کے شعلوں میں ہانپتے ہوئے کود پڑتے تھے، اگرچہ اپنے سواروں کے اشاروں پر زخم پر زخم کھاتے اور گرتے مرتے مگر جنگ کے شعلوں سے منہ نہیں موڑتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں ان گھوڑوں کی اپنے مالکوں کے ساتھ اس وفاداری کو بطور شہادت پیش کر کے ارشاد فرمایا ہے کہ انسان اپنے حقیقی مالک کا بڑا ہی ناشکرا ہے اور اس کی ان گنت نعمتوں کو فراموش کرتا رہتا ہے، گزشتہ سورۃ ''الزلزال'' میں اس بات کی نشاندہی کر دی گئی تھی کہ انسان کی ذرہ بھر نیکی اور بدی لکھ لی جاتی ہے جس کی جزا یا سزا روز قیامت اسے مل کر رہے گی۔ اس سورۃ مبارکہ میں رب کریم کی نعمتوں کی حق ناشناسی اور مال و دولت کی ہوس کا تذکرہ ہے اور اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں بیماریاں تمام گناہوں اور معصیتوں کی جڑ اور بنیاد بنتی ہیں، دنیا میں شرک وکفر اور ہر قسم کے ظلم وستم کی اصل یہی دو باتیں ہیں، معرفت حق سے دوری پر انسان ہر قسم کے کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور زر و زمین کے جھگڑوں میں ہر قسم کے ظلم پر اتر آتا ہے۔

پس اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی صلے اور اجر کی تمنا ہے تو انسان پر لازم ہے کہ اس کا شکر گزار بندہ بن کر رہے، اور مال و دولت کا حریص بننے کے بجائے نیک اعمال کا شائق اور حریص بنے۔

سُوۡرَةُ الۡعٰدِیٰت

آیات: ۱۱ رکوع: ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿وَالۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا(۱) فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا(۲) فَالۡمُغِیۡرٰتِ
صُبۡحًا(۳) فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا(۴) فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا(۵) اِنَّ
الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ(۶) وَ اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیۡدٌ(۷)
وَ اِنَّہٗ لِحُبِّ الۡخَیۡرِ لَشَدِیۡدٌ(۸) اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی
الۡقُبُوۡرِ(۹) وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ(۱۰) اِنَّ رَبَّہُمۡ بِہِمۡ
یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ(۱۱)﴾

ان گھوڑوں کی قسم جو دوڑتے ہانپ اٹھتے ہیں پھر (اپنی ٹاپوں سے) چنگاریاں جھاڑتے ہیں، جو صبح سویرے (دشمن پر) حملہ کرتے ہیں اور گردوغبار کے طوفان اٹھاتے ہیں اور اسی حال میں (دشمن کے) ہجوم کے اندر جا گھستے ہیں۔ یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناقدر شناس اور ناشکرا ہے اور وہ خود اس پر گواہ ہے اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے، کیا وہ وقت اس کے علم میں نہیں ہے جب قبروں کے اندر جو (مدفون) ہیں انہیں باہر نکال لیا جائے گا اور جو کچھ دلوں میں ہے آشکارا ہو جائے گا، بے شک ان کا رب ان کے حال سے اس روز پورا پورا آگاہ ہوگا۔

﴿وَالۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا﴾ ان گھوڑوں کی قسم جو دوڑتے دوڑتے ہانپ اٹھتے ہیں۔

وَالۡعٰدِیٰتِ وَ قسمیہ اور قسم بطور شہادت کے لائی جاتی ہے، اَلۡعٰدِیٰتِ سے مراد اللہ کی راہ میں جہاد

کرنے والوں کے تیز رفتار گھوڑے ہیں اس کا مفرد "العادیة" ہے (القاموس الوحید) ضَبۡحًا، دوڑتے وقت گھوڑوں کے اندر سانس کی آواز، ان کے ہانپنے کا یہ انداز اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس مقصد کے لیے ان کو انسان کی محکومی میں دیا ہے اس کو وہ نہایت وفاداری و جانثاری سے پورا کرنے والے اور انسان کی مقصد برآری میں اپنی طاقت کا آخری قطرہ بھی نچوڑ کر رکھ دینے والے ہیں۔ (تدبر قرآن)

﴿فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا﴾ پھر (اپنی ٹاپوں سے) چنگاریاں جھاڑتے ہیں۔

فَالۡمُوۡرِیٰتِ، فَ عاطفہ، ترتیب کے لیے ہے، مُوۡرِیٰتِ، اِیۡرَاءٌ سے ہے جس کے معنی چقماق یا کسی چیز سے آگ نکالنے کے ہیں، قَدۡحًا، چنگاریاں جھاڑنا، قَدۡحٌ کے معنی ضرب لگانے، ٹھوکر لگانے اور ایک چیز کو دوسری سے ٹکرانے کے ہیں، یہ انسان کی مقصد برآری میں گھوڑوں کی سرگرمی اور آتش زیر پائی کی تعبیر ہے کہ وہ اس طرح دوڑتے ہیں کہ ان کے سموں کی ٹھوکر سے چنگاریاں جھڑتی ہیں، گھوڑوں کے چونکہ آہنی نعل ہوتے ہیں، اس وجہ سے جب وہ دشمن پر دھاوا بولنے کے لیے پتھریلی زمینوں پر دوڑتے ہیں تو ان کی سموں کی ضرب سے چقماق کی طرح چنگاریاں نکلتی ہیں، گویا وہ اپنے مالکوں کی رضا جوئی میں آگ کے انگاروں پر دوڑ رہے ہیں۔'' (تدبر قرآن)

﴿فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا﴾ جو صبح سویرے (دشمن پر) حملہ کرتے ہیں۔

یعنی وہ گھوڑے جو بوقت صبح دشمنوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔'' (صفوۃ التفاسیر)

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''عرب میں حریفوں پر غارت گری کا سب سے موزوں وقت صبح کا ہی سمجھا جاتا تھا، اس وجہ سے یہاں "صُبۡحًا'' کی قید لگی ہوئی ہے، ان کے ہاں غارت گری کے الارم کے طور پر ''وَاصَبَاحَا'' کا جو نعرہ تھا، اس میں بھی صبح کا حوالہ اسی پہلو سے ہے، یہاں تک کہ لفظ ''صَبِّحۡ'' عربی میں حملے اور غارت گری کے لیے ایک معروف لفظ بن گیا۔ (تدبر قرآن)

﴿فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا﴾ اور گرد وغبار کے طوفان اٹھاتے ہیں۔

اِثَارَۃٌ کے معنی اٹھانے اور ابھارنے کے اور نَقۡعٌ کے معنی گرد وغبار کے ہیں۔(تدبر القرآن)

مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں:

"یہ گھوڑے اس طرح دوڑتے ہیں کہ صبح کے وقت میں جبکہ رات کی شبنم یا خنکی کی وجہ سے گرد وغبار اڑنے کا وقت نہیں ہوتا، ان گھوڑوں کے تیز دوڑنے کی وجہ سے فضا میں غبار ہی غبار ہو جاتا ہے۔(درس قرآن)

﴿فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا﴾ اور اسی حال میں (دشمن کے) ہجوم میں جا گھستے ہیں۔

فَوَسَطۡنَ (ف.وَسَطۡنَ) پس۔ جا گھستے ہیں، ف، عاطفہ (وَسَطَ، یَسِطُ، وَسۡطًا) کسی چیز کے بیچ میں ہونا، الوسط، کسی چیز کا مرکز، اردو زبان میں جانا پہچانا لفظ ہے، وَسَطۡنَ ماضی جمع مؤنث غائب کا صیغہ گھوڑوں کے لیے استعمال ہوا ہے، غیر ذوی العقول کے لیے عربی زبان میں کبھی مؤنث کا صیغہ استعمال ہو جاتا ہے، انسان ذوی العقول اور دیگر چیزیں غیر ذوی العقول کہلاتی ہیں، بِہٖ (بِ.ہٖ) ساتھ۔ اس، یعنی اس گرد وغبار کے ساتھ جو ان کے تیز دوڑنے کی وجہ سے اٹھ رہا ہے، جَمۡعًا، جماعت اور گروہ، اس کی جمع جُمُوۡعٌ آتی ہے۔(القاموس الوحید)

اپنے مالکوں اور سواروں کے وفادار اور جاں نثار ان گھوڑوں کی قسم کھا کر اور ان کی وفاداری اور جاں نثاری کو بطور شہادت کے پیش فرما کر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ﴾

یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناقدر شناس اور ناشکرا ہے۔

اِنَّ تحقیق، بلا شبہ، الۡاِنۡسَانَ انسان، اس سے مراد ہر وہ انسان ہے جو مالک حقیقی کا شکر گزار نہیں ہوتا، لِرَبِّہٖ (لِ.رَبِّہٖ) واسطے۔ رب، اپنے (کے)، لَکَنُوۡدٌ (لَ.کَنُوۡدٌ) البتہ۔ ناشکرا، (ہے) لام تاکیدی معنی دیتا ہے (کَنَدَ، یَکۡنُدُ، کَنۡدًا) نعمت کی ناشکری کرنا۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''جو انسان گھوڑوں کی یہ ساری جاں نثاریاں دیکھتا ہے اور ان کی قربانیوں سے بہرہ مند ہوتا ہے، لیکن اسے یہ سوچنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ وہ بھی اپنے رب کا غلام ہے اور اس پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بھی انہی کی طرح اپنے رب کی اطاعت میں سرگرم و سینہ سپر رہے، وہ نہایت ناشکرا اور احسان فراموش ہے، گھوڑے جانور ہو کر اپنے مالک کا حق پہچانتے ہیں اور یہ انسان ہو کر اپنے خالق و مالک کا حق نہیں پہچانتا ہے۔

انسان کی ناشکری کا ایک اور پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ انسان نہ گھوڑوں ہی کا خالق ہے اور نہ ان چیزوں ہی کا خالق ہے جن پر ان کی پرورش کا انحصار ہے، تاہم وہ نہایت بے جگری سے انسان کی خدمت محض اس وجہ سے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے، اس کے برعکس انسان کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا بھی خالق ہے اور اس کے کام آنے والے تمام جانوروں اور معاش و معیشت کے جملہ اسباب و وسائل کا بھی لیکن وہ رب کائنات کی بندگی کے حقوق و فرائض سے بے پروا ہے۔'' (تدبر قرآن، ج:۸)

﴿وَ اِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَهِیْدٌ﴾ اور وہ خود اس پر گواہ ہے۔

وَ اور عاطفہ، اِنَّهٗ (اِنَّ. هٗ) بلاشبہ۔ وہ، هٗ کی ضمیر واحد مذکر انسان کی طرف جاتی ہے، عَلٰی ذٰلِکَ، اوپر۔ اس بات کے، لَشَهِیْدٌ (لَ. شَهِیْدٌ) ضرور بضرور۔ گواہ ہے۔

''انسان کے اس ناشکرے پن پر کوئی دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ خود اس پر سب سے بڑا گواہ ہے، یہ فقرہ اسی طرح کا ہے جس طرح ''سورۃ قیامۃ'' میں فرمایا ہے: ''بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ وَ لَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ (۱۴-۱۵) بلکہ انسان خود اپنے اوپر حجت ہے اگرچہ وہ کتنے ہی عذرات تراشے۔''

جو باتیں انسان کی فطرت کے بدیہی مقتضیات [واضح ضروریات] میں سے ہیں، وہ دلیل کی محتاج نہیں ہوتیں، اُن کے حق میں سب سے بڑی گواہی خود انسان کی فطرت اور اس کے ضمیر کے اندر موجود

ہوتی ہے، انسان اگر ان سے گریز اختیار کرتا ہے تو اس وجہ سے نہیں کہ ان کے حق میں اس کو کوئی دلیل نہیں ملی بلکہ ان کو وہ اپنے نفس کی سفلی خواہشوں [پست آرزوؤں] کے خلاف پاتا ہے، اس وجہ سے ان سے گریز کے لیے بہانے تلاش کرتا ہے، ورنہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ خود تو صرف انہی گھوڑوں کی قدر کرتا ہے جو اس کی کوئی قابل قدر خدمت انجام دیتے ہیں لیکن اپنے مالک اور رب کے متعلق یہ گمان رکھتا ہے کہ اس کے ہاں نیکوکار اور بدکار میں کوئی فرق نہیں ہے، اس نے ان کے ساتھ جو معاملہ اس دنیا میں کیا ہے، اس سے بہتر معاملہ آخرت میں کرے گا، خواہ اس کے ایک حکم کی بھی وہ تعمیل نہ کرے بلکہ ساری زندگی اپنے نفس کی غلامی میں گزارے۔'' (تدبر قرآن، ج:۸)

﴿وَ اِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ﴾

اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے۔

وَ اور، عاطفہ سلسلہ کلام کو جاری رکھنے کے لیے، اِنَّہٗ (اِنَّ. ہٗ) بلاشبہ۔ وہ، ہٗ کی ضمیر واحد مذکر غائب انسان کی طرف جاتی ہے، لِحُبِّ الْخَیْرِ واسطے محبت، مال کے ''لام'' لیے کا معنی دیتا ہے، حُبّ خواہش، محبت اور اَلْخَیْر کے معنی مال و دولت کے ہیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

''شدت حب مال سے یہاں مراد وہی بے جا اور حد سے زیادہ دولت پرستی ہے، جو انسان کی عقل سلیم کو بالکل اندھا کر دیتی ہے اور تمام تر کفران و عدوان کی طرف لے جاتی ہے، ورنہ جائز حدود کے اندر مال کی تھوڑی محبت تو ایک امر طبعی ہے۔'' (تفسیر ماجدی)

﴿اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ﴾

کیا وہ وقت اس کے علم میں نہیں ہے، جب قبروں کے اندر جو (مدفون) ہیں انہیں باہر نکال لیا جائے گا۔

اَفَلَا، اَ، کیا، کلمہ استفہام، فَلَا (ف. لَا) پس۔نہیں، یَعْلَمُ وہ جانتا ہے، فعل مضارع واحد مذکر غائب (عَلِمَ، یَعْلَمُ، عِلْمًا) جاننا، خبر رکھنا، اِذَا جب، وقت کو ظاہر کرتا ہے (ظرف زمان)، بُعْثِرَ

اٹھایا جائے گا، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب، بَعْثَرَ، بکھیرنا، پھیلانا، منتشر کرنا، سامان کو الٹ پلٹ کرنا، چھپی ہوئی چیز کو برآمد کرنا، جانچ پڑتال کے لیے بکھیرنا۔ (القاموس الوحید) مَا فِی جو کچھ بیچ میں، مَا جو کچھ، اسم موصول، فِیْ، اندر، درمیان (ہے)، الْقُبُوْرِ قبروں میں۔

﴿وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ﴾ اور جو کچھ دلوں میں ہے آشکارا ہو جائے گا۔

وَ اور، عاطفہ، حُصِّلَ اور حاصل کیا جائے گا، نکالا جائے گا ماضی مجہول واحد مذکر غائب، مَا جو (کچھ ہے) اسم موصول، فِی الصُّدُوْرِ سینوں میں، اس کا مفرد الصّدر ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں:

''مطلب یہ ہے کہ یہ غافل انسان اس وقت اور اس دن کو نہیں جانتا جب قبروں میں دفن شدہ سارے مردے زندہ قبروں سے نکالے جائیں گے اور زندگی بھر کے ان کے اعمال کا پورا احتساب ہوگا اور سینوں کے بھید اور راز بھی جن کو وہ سمجھتا تھا کہ یہ ہمیشہ راز ہی رہیں گے، کبھی کسی کو ان کی اطلاع نہ ہوگی، وہ اس دن باہر نکال لیے جائیں گے، مثلاً نفاق ہے، ریا کاری ہے یا ایسی ہی چھپی ہوئی گندگیاں ہیں تو وہ ظاہر کر دی جائیں گی اور ان کا بھی محاسبہ ہوگا، دوسری جگہ فرمایا: یَوْمَ تُبْلَی السَّرَائِرُ یعنی اس دن پوشیدہ اور مخفی باتیں بھی جانچی اور پرکھی جائیں گی اور ان کا بھی پورا احتساب ہوگا۔'' (درس قرآن)

﴿اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ﴾

بے شک ان کا رب ان کے حال سے اس روز پورا پورا آگاہ ہوگا۔

اِنَّ تحقیق، بلاشبہ، رَبَّهُمْ (رَبَّ. هُمْ) رب۔ ان کا ''هُم'' ضمیر جمع مذکر غائب، انسان کی طرف جاتی ہے، یَوْمَئِذٍ (یَوْمَ. اِذَا) دن۔ اس، یعنی اس دن لَّخَبِیْرٌ (لَّ. خَبِیْرٌ) پورا پورا۔ خبردار ہے، لام زبر والا تاکیدی معنی دیتا ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''یعنی جو رب ان کو قبروں سے نکال لے گا اور ان کے سینوں کے رازوں کو ظاہر کر دے گا، اس کے

متعلق ہر شخص جان سکتا ہے کہ وہ کتنا باخبر ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی، چنانچہ پھر وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دے گا، یہ گویا ان اشخاص کو تنبیہ ہے جو رب کی نعمتیں تو استعمال کرتے ہیں، لیکن اس کا شکر ادا کرنے کے بجائے، اس کی ناشکری کرتے ہیں، اس طرح مال کی محبت میں گرفتار ہو کر مال کے وہ حقوق ادا نہیں کرتے جو اللہ نے اس میں دوسرے لوگوں کے رکھے ہیں۔'' (احسن البیان)

آیاتِ مبارکہ کی حکمت وبصیرت:

۱) انسان کو اللہ تعالیٰ نے کتنا شرف اور مرتبہ عطا کیا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اس کی خدمت میں لگا دی ہے۔ گھوڑوں پر ہی نظر دوڑائیے کہ وہ گھاس پھونس ایسی گھٹیا غذا کھا کر بھی اپنے مالک سے بے مثال وفاداری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور انسان عمدہ سے عمدہ اور قیمتی سے قیمتی نعمتیں پا کر بھی مالک حقیقی کو فراموش کر دیتے ہیں۔

۲) یہ جسم وجان اور مال ودولت اور تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی عطا اور دین ہیں مگر حریص انسان اس میں بھی بخل سے کام لیتے ہیں اور اسی نشے میں غرور وتکبر کا شکار ہو جاتے ہیں اور رب کائنات کی عبادت وطاعت سے منہ موڑے رکھتے ہیں۔

۳) ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ زندگی عارضی اور بالکل عارضی ہے۔ موت کے ساتھ ہی دوسری زندگی شروع ہو جاتی ہے، قبر یا تو جنت کے ٹھکانوں میں سے اچھا ٹھکانہ بن جاتی ہے یا پھر جہنم کے ٹھکانوں میں سے ٹھکانہ ہو جاتی ہے اور حساب وکتاب کے بعد پھر اچھی یا بری زندگی شروع ہو جائے گی۔

………………o………………